شبیر احمد خاں غوری

علمِ کلام کا آغاز و ارتقاء

(۷)

عہدِ آخر ———— ہندوستان

سنہ ۹۳۰ھ میں بابر نے پنجاب پر قبضہ کر کے دہلی کی طرف رخ کیا اور مرزا شاہ حسین ارغون حاکم ٹھٹھہ کو لکھا کہ ملتان کو فتح کرے۔ شاہ حسین نے ملتان پر حملہ کیا۔ محمود شاہ نے بلطائف الحیل اسے ٹالنا چاہا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ سنہ ۹۳۱ھ میں محمود شاہ کی وفات پر شاہ حسین ثانی اس کا جانشین ہوا اور سنہ ۹۳۲ھ میں شاہ حسین ارغون نے بزورِ شمشیر قلعہ کو فتح کر کے ملتان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس ہرج مرج میں کہہ و مہ اور عالم و عامی کی کوئی تمیز نہیں رہی۔ ارغون کے سپاہی مولانا ابراہیم جامع اور ان کے صاحبزادے مولانا سعد اللہ لاہوری تک کو پکڑ کے پا بجولاں لے گئے اور بڑی شکل سے دونوں کی رہائی ہوئی۔ اس واقعہ کو فرشتہ نے نظام الدین ہروی سے اور نظام الدین نے مولانا سعد اللہ لاہوری سے نقل کیا ہے۔ آخر ملتان تباہ ہو گیا۔

ملتان بڑا مردم خیز علاقہ تھا چنانچہ شاہ حسین اول کے وزیر عماد الملک نے کہا تھا:

"مملکت گجرات و دکن و مالوہ و بنگالہ اگرچہ زرخیز است و اسباب تنعم آنجا بوجہ احسن میسر می شود۔ فاما مملکت ملتان مردم خیز است چہ بزرگان ملتان ہر جا کہ رفتند معزز و محترم گشتند .... از طبقہ علماء مثل مولانا فتح اللہ و شاگرد او مولانا عزیز اللہ از خاک پاک ملتان مخلوق شدہ اند کہ اکثر ہندوستان بوجود ایں عزیزاں افتخار کنند[۱]"

مشاہیر علماء میں شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے خاندان کے علاوہ شیخ سماء الدین ملتانی کا نام سب سے پہلے لینا چاہیئے۔ متداول تعلیم ملتان میں مکمل کر کے شیراز تشریف لے گئے جہاں میر سید شریفؒ سے منطق و حکمت کی تکمیل کر کے ہندوستان واپس آئے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ تلامذہ میں شیخ سماء الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی خاص طور سے مشہور ہیں۔ شیخ سماء الدین

---

[۱] طبقاتِ اکبری صفحہ ۶۲۳

ملتان کے ہرج مرج سے مجبور ہو کر پہلے ناگور گئے وہاں سے گجرات پھر رنتھمبور سے ہوتے ہوئے بیانہ پہنچے اور آخر میں دہلی میں جاکر متوطن ہوگئے۔ وہ علوم متداولہ کے جید عالم تھے اور ان کے درس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوا کرتے تھے۔ مولانا فتح اللہ بھی اوّلاً مولانا شنار الدین ملتانی کے شاگرد تھے بعد میں دہلی جاکر مولانا موسیٰ جہری سے جو علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے تکمیل کی پھر ملتان واپس آکر درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ اُن کے شاگردوں میں مولانا ابراہیم جامع ان کے صاحبزادے اور مولانا عزیز اللہ خاص طور سے مشہور ہیں۔ مولانا ابراہیم جامع خرابیٔ ملتان میں قید ہوئے تھے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے انہوں نے پینسٹھ سال فرائض درس وتدریس انجام دیئے۔ فرشتہ نے ان کے صاحبزادے مولانا سعد اللہ لاہوری سے نقل کیا ہے:

"پدرم را کہ مولانا ابراہیم جامع نام داشت وشصت وپنج سال بر مسند افادہ قرار گرفتہ اقسام علوم درس گفتہ بود ودر آخر عمر پارسا شدہ بود"[1]

مولانا ابراہیم جامع کے فرزند مولانا سعد اللہ لاہوری ملتان کی خرابی کے بعد دکن چلے گئے۔ مولانا عزیز اللہ ملتانی کا جام بایزید بہت زیادہ معتقد تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

"خدمت ملا عزیز اللہ را کہ شاگرد ملا فتح اللہ بود بشور استدعا نمودہ وچوں مولانا عزیز اللہ قریب بشور رسید باعزاز در البشہر در آوردہ بتکلف بحرم سرائے خود بردہ بخدمت گاران خود امر فرمود کہ آب بر دست مولانا ریختند۔ بعدہ گفت کہ آں آب را بجہت از دیاد برکت در چہار گوشۂ خانہ بریزند"[2]

دیگر علماء میں شیخ حسین ملتانی، شیخ حسین بن اسمٰعیل ملتانی اور ان کے صاحبزادگان شیخ عبد الشکور اور شیخ عبد الغفور، فیروز لاہوری، وغیرہ مشہور ہیں۔ خرابیٔ ملتان کے بعد جو علماء دہلی چلے گئے ان میں شیخ سمار الدین ملتانی، شیخ احمد ملتانی، عبد اللہ تلبنی اور مولانا عزیز اللہ تلبنی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ آخر الذکر تین علماء بعہد سکندر شاہ لودھی ملتان کے ہرج مرج سے مجبور ہو کر دہلی پہنچے۔ شیخ احمد ملتانی عقیدۂ وحدت الوجود کے سرگرم مبلغ تھے۔ عبد اللہ تلبنی عبد اللہ یزدی کے شاگرد تھے اور بڑے زبردست معقولی تھے انہوں نے درس میں کتب معقولات کا اضافہ کیا ورنہ پہلے صرف منطق میں شرح شمسیہ اور کلام میں شرح صحائف کا رواج تھا۔ مولانا عزیز اللہ تلبنی اصول وکلام اور معقولات میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ پہلے دہلی آئے وہاں سے سنبھل چلے گئے جہاں نظام الدین خیر آبادی اور میاں حاتم سنبھلی نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

ان صوبائی سلطنتوں کے علاوہ کشمیر، سندھ، بنگال اور خاندیش وغیرہ بھی علم وفضل کی ترقی میں اپنی اپنی جگہ کوشاں تھے۔ ان کا استقصار موجب تطویل ہوگا۔ لیکن عروس البلاد دہلی کی رونق ماند ہوکر رہ گئی تھی۔ دار السلطنت پر محمد تغلق کی علماء آزاری کا وبال نحوست بن کر عرصے تک چھایا رہا اور تیموری قتل وغارت سے بھی اس کا کفارہ نہ ہو سکا۔ علماء نامدار جن کے وجود مسعود نے دہلی کو مرجع خلائق بنایا تھا خود ایک ایک کر کے پردیس کی راہ اختیار کرنے پر مجبور

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۳۱ [2] ایضاً صفحہ ۳۳۰

ہوئے۔ آخر بہلول لودھی ۸۵۵ھ میں سریر آرائے مملکت دہلی ہوا۔ اُس کی وفات پر ۸۹۴ھ میں اُس کا بیٹا سکندر لودھی تخت نشین ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا ابراہیم لودھی بادشاہ ہوا۔ جسے ۹۳۲ھ میں بابر نے شکست دے کر لودھی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہندوستان میں اسلامی ثقافت کا پہلا دور انجام کو پہنچا۔

لودھی فرمانرواؤں کی علم دوستی کے باب میں نظام الدین ہروی نے لکھا ہے:

"سلطان (سکندر لودھی) باستماع مذاکرہ علمی رغبت تمام داشت۔ علمائے نامی را از ہر طرف طلبیدہ۔ میاں قادن بن شیخ جون و میاں عبداللہ بن الہداد تلبنی و سید محمد بن سعید خاں از دہلی و ملا قطب الدین و ملا الہداد و صالح از سرہند و سید امان و میراں سید اُجی از قنوج آمدند۔ و جمعے از علما کہ ہمیشہ ہمراہ سلطان می بودند مثل سید صدر الدین قنوجی و میاں عبدالرحمٰن ساکن سیکری و میاں عزیز اللہ سنبھلی"[1]

اس انتشار و طوائف الملوکی کے زمانہ میں سب سے کم تعداد علماء کی دہلی میں نظر آتی ہے۔ تیمور کے خوف سے اکثر علماء باہر چلے گئے کیونکہ وہ ہر جگہ سے مختلف علوم و فنون کے باکمالوں کو زبردستی ماوراء النہر لے جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ مولانا خواجگی قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو لے کر کالپی چلے گئے۔ اسی طرح شیخ احمد بن محمد تھانیسری بھی کالپی چلے گئے۔ ایک اور بزرگ شیخ محمد بن یوسف الحسینی جو قاضی عبدالمقتدر شریحی کے شاگرد تھے فتنۂ تیموری کے زمانہ میں دہلی سے نکل کر گجرات ہوتے ہوئے گلبرگہ چلے گئے۔ دیگر بزرگان دہلی میں شیر خاں (مسعود بیگ) صاحب مراۃ العارفین و تمہیدات (علی منہاج تمہیدات عین القضاۃ)، شیخ علاؤ الدین علی بن اسعد صاحب خلاصۃ الالفاظ و جامع العلوم، شیخ محمد بن جعفر حسینی صاحب بحر المعانی و دقائق المعانی و حقائق المعانی مشہور ہیں۔ کشف الظنون میں اس عہد کے دو اور عالموں کا تذکرہ ملتا ہے ایک محمود بن ابی محمود (المشہور بہ قاضی خاں) ہیں جو قطب الدین مکیؒ کے اسلاف میں سے تھے انہوں نے لغت کے اندر ایک کتاب بنام "آداب الفضلاء" لکھ کر قدری خاں کے نام معنون کی تھی۔ دوسرے شیخ محمود بن محمد دہلوی ہیں جنہوں نے اصول فقہ کے مشہور متن "المنار" کی شرح "افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار" کے نام سے لکھی تھی۔

لودھی سلاطین کے تخت دہلی پر متمکن ہونے پر ملک میں پھر سے امن و خوش حالی کا دور دوبارہ شروع ہوا۔ اُن کی علمی سرپرستی کا تذکرہ اوپر مذکور ہو چکا۔ اُن کے زمانہ میں شیخ احمد ملتانی، عبداللہ تلبنی، شیخ سماء الدین ملتانی، مولانا عزیز اللہ تلبنی وغیرہ ملتان سے دہلی آئے۔ ایران سے آنے والے علماء میں میر سید رفیع الدین شیرازی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وہ معقولات میں محقق دوانی کے اور حدیث میں شمس الدین سخاوی کے شاگرد تھے۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں آگرہ آئے اور یہیں متوطن ہو گئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے:

"میر سید رفیع الدین نیز دانشمند بود محدث ..... در معقولات شاگرد مولانا جلال الدین دوانی است ..... و در حدیث شاگرد شیخ

---

[1] طبقاتِ اکبری صفحہ ۱۶۴

شمس الدین محمد ابن عبدالرحمان السخاوی . . . . درزمان سلطان سکندر از گجرات بدیار دہلی تشریف آمد و باذن سلطان سکندر ہم درآگرہ افالت فرمود ۔" (اخبار الاخیار)

اس عہد کا سیاسی انتشار مذہبی انتشار کا بھی محرک ثابت ہوا۔ مشرق میں سیاسی انتشار اور معاشرتی اختلال ہمیشہ مذہبی انتشار اور مرکز گریز تحریکوں کا باعث ہوا ہے اور نویں صدی ہجری کا ہندوستان بھی اس ہمہ گیر معاشرتی کلیہ سے مستثنٰی نہ تھا۔

سید محمد جونپوری ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید خاں اور والدہ کا نام بی بی اخا ملک تھا۔ بڑی تیز طبیعت پائی تھی اور بہت جلد ہی علوم متداولہ سے فارغ التحصیل ہوگئے۔ علوم ظاہر و باطن کی تکمیل شیخ دانیال جونپوری سے کی جو چار واسطوں سے شیخ نظام الدین اولیاؒ کے خلیفہ تھے۔ جوانی ہی میں درویشی اختیار کی اور جونپور سے نکل کر چندیری ہوتے ہوئے گجرات پہنچے۔ کچھ دن بعد حج کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ وہاں سے پھر گجرات واپس آئے اور ۹۰۲ھ میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ جہاں جاتے تقریر کی دلپذیری سے عوام ان کے معتقد ہوجاتے لیکن علماء مخالفت کرتے اور یہ کشمکش اتنی شدید ہوجاتی کہ حاکم وقت کو ان کا شہر سے اخراج کرنا پڑتا۔ ۹۰۵ھ میں انھوں نے دوبارہ مہدویت کا دعویٰ کیا اور بڑی شد و مد سے اس کی تبلیغ کرنے لگے۔ لیکن ان کی مخالفت اس شدت سے ہونے لگی کہ آخر کار وہ گجرات چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور وہاں سے سندھ اور پھر قندھار پہنچے۔ ہر جگہ مقبولیت اور مخالفت سے دوچار ہوئے۔ آخر کار ۹۱۰ھ میں شہر فراہ میں انتقال کیا۔

اس عہد کے جن علمائے کرام کو علم کلام میں تبحر حاصل تھا یا جنھوں نے اس فن میں کتابیں تصنیف کیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ ابوالفتح بن عبدالحی جونپوری۔ قاضی عبدالمقتدر شریحی کندی کے پوتے تھے۔ والد مولانا عبدالحی کا انتقال ولادت سے قبل ہی ہوگیا تھا لہٰذا دادا قاضی عبدالمقتدر نے پرورش کی اور خود ہی جملہ علوم کی تعلیم دی۔ کچھ دن دارالسلطنت دہلی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ تیموری حملے کے زمانہ میں دہلی سے جونپور پہنچے اور وہیں متوطن ہوگئے۔ مولانا ابوالفتح کو فقہ و اصول اور ادب کے علاوہ علم کلام میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔

۲۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔ اپنے وقت کے مشاہیر روزگار میں سے تھے۔ قاضی عبدالمقتدر شریحی اور مولانا خواجگی سے کسب فیض کیا۔ تیموری فتنہ کے زمانے میں مولانا خواجگی کے ہمراہ دلی چھوڑ کر نکلے۔ مولانا خواجگی کالپی میں ٹھہر گئے اور قاضی شہاب الدین جونپور چلے گئے جہاں ابراہیم شرقی نے غیر معمولی عزت و احترام سے نوازا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

" از جملہ فضلائے عصر او یکے قاضی شہاب الدین جونپوری است۔ تصانیف مستحسنہ مفیدہ آں بزرگوار شہرت تمام دارد مثل حاشیۂ کافیہ کہ مشہور است بحاشیۂ ہندی و مصباح و متن ارشاد و بدیع البیان و تفسیر فارسی کہ بحرالمواج نام دارد و رسالہ مناقب

سادات در رسالہ عقیدۂ شہابیہ نیز از مولفات اوست۔[1]"

علم کلام میں قاضی شہاب الدین کی یادگار تصنیف "العقیدۃ الشہابیہ" ہے (جس کا اوپر فرشتہ نے حوالہ دیا ہے) اس کتاب کا غالباً واحد نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے۔

۳ - قاضی رضی الدین ردولوی۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے نواسے تھے۔ جونپور میں پیدا ہوئے اور اپنے نانا سے مختلف علوم و فنون کی تکمیل کی۔ ابراہیم شاہ شرقی نے انہیں ردولی شریف کا قاضی مقرر کیا۔ وہ وہیں جاکر آباد ہو گئے اور فرائض قضا کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ وہ فقہ و اصول اور عربیت کے علاوہ علم کلام میں بھی دستگاہ عالی رکھتے تھے۔

۴ - شیخ محمد بن یوسف الحسینی دہلوی۔ دہلی میں پیدا ہوئے مگر اپنے والدین کے ہمراہ دولت آباد چلے گئے جہاں ابتدائی تعلیم اپنے والد اور دادا سے حاصل کی۔ ۷۳۶ھ میں دہلی واپس آئے اور متوسطات سید شرف الدین کیتھلی اور تاج الدین مقدم سے پڑھیں۔ اس کے بعد اونچی کتابیں شمسیہ، صحائف، مفتاح العلوم، ہدایہ، اصول بزدوی اور تفسیر کشاف قاضی عبدالمقتدر شریحی سے پڑھیں۔ بعد فراغت شیخ نصیر الدین محمود کے ایماء سے مسند درس و افادہ پر بیٹھے۔ فترتِ تیموری کے زمانہ میں گلبرگہ تشریف لے گئے جہاں بقیہ عمر درس و تدریس میں گزار دی۔ فقہ و تفسیر اور تصوف میں کمال تھا۔ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ صرف علم کلام میں حسب ذیل کتابیں ان کی تصنیف ہیں:

۱ - شرح الفقہ الاکبر
۲ - شرح بدء الامالی
۳ - شرح العقیدۃ الحافظیہ
۴ - شرح تعبیر الوجود بالازمنۃ الثلاثۃ (ہے، تھا اور ہوگا کے ساتھ وجود کی تعبیر کی وضاحت)

۵ - شیخ حسین بن محمد حسینی گلبرگوی شیخ محمد بن یوسف حسینی مذکور کے صاحبزادے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے جہاں قاضی عبدالمقتدر، مولانا خواجگی، مولانا محمد بغرا اور مولانا محمد قاسم سے تعلیم حاصل کی اور جملہ علوم متداولہ میں تبحر حاصل کیا۔ خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا مختلف علوم ظاہر و باطن میں متعدد کتابیں لکھیں۔ علم کلام میں عقائد کے اندر ایک رسالہ لکھا۔

۶ - مولانا صدر جہاں گجراتی۔ اپنے عہد کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ فقہ و اصول اور علم کلام میں خاص کمال حاصل تھا۔ شیخ محمد بن عبداللہ الحسینی کے ہم عصر تھے جو مولانا صدر جہاں کے بعض اقوال کے منکر تھے۔ مگر کچھ دن بعد دونوں

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۰۹

کی ملاقات ہوئی اور متعدد مسائل کلامیہ میں مناظرہ ہوا۔ اس کے بعد شیخ مولانا کے کمال و تبحر علمی کے قائل ہو گئے۔

۷۔ شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ۔ سمنان ایران کے ایک امیر خاندان میں پیدا ہوئے اور بڑے نازو نعم کے ساتھ پرورش پائی۔ چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کی۔ اُنیس سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے بعد مہمات حکومت میں مشغول ہوئے با ایں ہمہ شیخ علاؤ الدولہ رکن الدین سمنانی اور دیگر مشائخ سے مصاحبت و مجالست جاری رہی مگر امیری و فقیری ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں لہٰذا تیئس سال کی عمر میں حکومت اپنے بھائی کو دے کر عازم ہندوستان ہوئے۔ پہلے اُچ آئے پھر بہار پہنچے مگر وہاں شیخ یحییٰ منیریؒ کا انتقال ہو چکا تھا لہٰذا پنڈوہ گئے جہاں شیخ علاء الدین عمر بن اسعد لاہوری سے کسب فیض کیا اور انہیں سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ پھر شیخ کے حکم سے پہلے جونپور آئے وہاں سے کچھوچھہ شریف چلے گئے۔ وہیں وفات پائی۔ علم شریعت و طریقت میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ علم کلام میں آپ کی تصنیف " قواعد العقائد" ہے۔

۸۔ مخدوم علاء الدین علی مہائمی۔ اس عہد کے نوادر میں سے ہیں۔ مختلف علوم شریعت و طریقت میں دستگاہ عالی رکھتے تھے۔ اُن کی تفسیر " تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان" ہمارے تفسیری ادب میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ علم کلام میں بھی متعدد تصانیف کے مصنف تھے مثلاً

۱۔ اجلۃ التائید فی شرح ادلۃ التوحید

۲۔ النور الاظہر فی کشف سر القضاء والقدر

۳۔ الضوء الازہر فی شرح النور الاظہر (قضا و قدر پر مذکورہ بالا کتاب کی شرح)

۴۔ انجلاء البصر فی الرد علی استقصار النظر (ابن المطہر الحلی نے شیعی کلام میں استقصاء النظر لکھی تھی۔ مخدوم مہائمیؒ نے اس کا رد لکھا)۔

۹۔ شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے نواسے شیخ صفی الدین کے پوتے تھے۔ ردولی شریف میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ بعد میں گنگوہ شریف منتقل ہو گئے۔ اپنے عہد کے مشاہیر علماء و مشائخ میں محسوب ہوتے تھے۔ سماع مفرط اور وحدت الوجود کے عقیدے کے باوجود اتباع سنت کا از بس التزام تھا۔ عوارف المعارف پر ایک مبسوط شرح لکھی۔ تعرف (فی التصوف) پر حاشیہ لکھا۔ نیز ایک کتاب بنام "انوار العیون و اسرار المکنون" تصنیف فرمائی جو سات فنون پر مشتمل ہے۔ علم کلام میں " شرح صحائف" پر جو اُس زمانہ میں درس کے اندر داخل تھی تعلیقات لکھیں۔

۱۰۔ شیخ احمد ملتانی۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے۔ اکثر مشائخ سے کسب فیض کیا آخر میں شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور اُن سے عوارف المعارف اور تفسیر عرائس البیان وغیرہ

پڑھیں۔ غالباً شیخ گنگوہی سے متاثر ہو کر وحدت الوجود کے قائل ہو گئے۔

فقہ و اصول اور عربیت کے علاوہ علم کلام میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

۱۱۔ مولانا عزیز اللہ تلبنی۔ علمائے ملتان میں موقر درجہ رکھتے تھے۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی آئے پھر سنبھل جا کر متوطن ہو گئے مگر جب تک سکندر لودھی زندہ رہا اُس کے ساتھ سفر و حضر میں رہے جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے:

"و جمعے از علماء کہ ہمیشہ ہمراہ سلطان می بودند مثل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میاں عزیز اللہ سنبھلی۔"

ساری عمر درس و تدریس اور زہد و عبادت میں گزار دی۔ شاگردوں میں شیخ نظام الدین خیر آبادی اور میاں حاتم سنبھلی خاص طور پر مشہور ہیں۔

مولانا عزیز اللہ کو منطق و حکمت اور اُصول فقہ کے علاوہ علم کلام میں بھی دستگاہِ عالی حاصل تھی۔

۱۲۔ شیخ ہبۃ اللہ شیرازی۔ اکابر علماء میں سے تھے۔ شیراز میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ شیخ صدر الدین شیرازی صاحبِ "اسفار اربعہ" اُن کے اکثر ہم سبق رہے تھے۔ معقولات دونوں نے مشترک اساتذہ سے پڑھی تھی۔ حدیث اپنے نانا حافظ نور الدین ابی الفتوح طاؤسی سے پڑھی اور انہیں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ۸۹۸ھ میں بعہدِ سلطان محمود بیگڑہ گجرات آئے اور چاپانیر میں مقیم ہو گئے۔ علم و فضل کا شہرہ بہت جلد پھیل گیا اور چاروں طرف سے طالبانِ علم بہجوم در ہجوم کسبِ فیض کے لیے آنے لگے۔ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ علم کلام میں حسب ذیل کتابیں اُن کی تصنیف میں سے ہیں۔

۱۔ اسنی الکواشف فی شرح المواقف۔

۲۔ شرح تہذیب المنطق والکلام

۳۔ لوامع البرہان فی قدم القرآن

۱۳۔ سید خوندمیر گجراتی۔ حسینی سید تھے۔ نہروالہ میں پیدا ہوئے اور مختلف علوم متداولہ میں تبحر حاصل کیا۔ لیکن جب ۹۰۴ھ میں سید محمد جونپوری نہروالہ آئے تو خوندمیران کے مرید ہو گئے۔ اور اپنے خلوص صادق اور سعی پیہم سے سید محمد کی نظروں میں خاص مقام حاصل کر لیا۔ گجرات سے سید محمد کے اخراج کے بعد اُن کے ہمراہ سندھ اور وہاں سے خراسان کے ارادے سے چلے مگر سندھ پہنچ کر سید محمد نے خوندمیر کو گجرات جانے کی اجازت دیدی۔ سید محمد نے ۹۱۰ھ میں بمقام فراہ وفات پائی اور اُن کے خلیفہ اُن کے صاحبزادے سید محمود ہوئے۔ سید محمود نے بھی ۹۱۹ھ میں وفات پائی اور فرقہ مہدویہ کی قیادت خوندمیر کے ہاتھ میں آئی۔ اس لیے مہدویہ اُنہیں خلیفۂ ثانی کہتے ہیں۔ دوسرا لقب ان کا بدلہ مہدی ہے کیونکہ جدال و قتال کا کام مہدی (سید محمد) کے بدلے اُنہوں نے انجام دیا۔ بہرحال سید خوندمیر کے زمانہ میں تشدد اختیار کیا گیا اور سلطان مظفر شاہ گجراتی نے اس فرقے کی سرگرمیوں کے استیصال کے

لیے عین الملک کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی جس نے سید خوند میر کو اُن کے رفقا سمیت سنہ ۹۳۰ھ میں قتل کر ڈالا۔

سید خوند میر اپنی جماعت کے اندر صاحب سیف وقلم تھے۔ فرقہ مہدویہ کے متکلم تھے اور اپنے مذہب کی تائید میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام "بحر الفوائد و اُم العقائد" ہے۔

۱۴۔ شاہ بیگ پسر ذوالنون بیگ۔ ذوالنون بیگ سلطان حسین مرزا تیموری کا امیر الامرا اور سپہ سالار تھا اور اس کے لڑکے بدیع الزمان مرزا کا اتالیق تھا۔ ذوالنون بیگ جو سلطان حسین مرزا کی جانب سے قندھار کا حاکم تھا۔ جب ازبکوں کے ساتھ جنگ میں مارا گیا تو سلطان حسین مرزا نے قندھار کی حکومت اُس کے بیٹے شاہ بیگ کو دیدی۔ شاہ بیگ نے سندھ کے اکثر حصّہ کو فتح کر لیا۔ بااین ہمہ شجاعت وشہامت علم وفضل میں بھی پایۂ عالی رکھتا تھا۔ اور چونکہ ماوراء النہر کے علماء سے کسب فیض کیا تھا اس لیے معقولات اور علم کلام میں خصوصی دستگاہ رکھتا تھا۔ نظام الدین ہروی نے لکھا ہے:

"شاہ بیگ ..... از فضائل علمی بہرہ تمام داشت چنانچہ شرح بر عقائد نسفی و شرح بر کافیہ وحاشیہ بر مطالع منطق نوشتہ است۔"

علم کلام میں شاہ بیگ کی تصنیف "شرح عقائد نسفی" غالباً نایاب ہے۔

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنفہ بشیر احمد ڈار

عہدِ قدیم میں چین، ایران، مصر اور یونان کی تہذیبوں نے حیرت انگیز ترقی کر لی تھی، اور یہاں کے مفکّروں نے جو افکار و نظریات پیش کئے انہی کی بنیاد پر جدید افکار کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہے اور اس کتاب میں کون فیوشس، گوتم بدھ، زرتشت، مانی، سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکروں کے اخلاقی نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور